ایمان وعقائد

حافظ محمد زبیر [a]

برصغیر کے عام حنفی علما کا عقیدہ

"قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کے الفاظ نہیں!"

کلام نفسی: ماتریدیہ اور اشاعرہ کی نظر میں

گذشتہ شمارۂ 'محدث' میں 'قرآن اکیڈمی' لاہور کے محقق حافظ محمد زبیر کا وفاق المدارس العربیہ، پاکستان کے صدر مولانا سلیم اللہ خاں کی طرف سے سلفی حضرات پر تنقید کے جواب میں ایک وضاحتی مقالہ بعنوان 'کیا ائمہ اربعہ مفوضہ تھے؟' شائع ہوا ہے جس میں ایک جگہ کتابت کی غلطی سے مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا سلیم اللہ خاں حفظہ اللہ کا حوالہ خلط ملط ہو گیا ہے۔ اگر یہ قارئین ص ۱۴، دوسری سطر میں لفظ 'مولانا' کے بعد 'سلیم اللہ خاں' کے الفاظ حذف کر دیں اور ص ۱۴ نویں سطر میں بعنوان راجح اور محتاط مسلک سے قبل 'مولانا سلیم اللہ کے خاں کے نزدیک' الفاظ کا اضافہ کر لیں تو عبارت درست ہو جاتی ہے۔ (محدّث)

ماہنامہ محدث کے سابقہ شمارہ میں ہمارا ایک مضمون بعنوان 'کیا صفاتِ الٰہیہ میں ائمہ اربعہ مفوضہ ہیں؟' شائع ہوا۔ جس میں ہم نے سلفی حضرات کے بارے میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر مولانا سلیم اللہ خاں کی منفی تنقید کا جائزہ لیتے ہوئے عرض کیا تھا کہ سلفی حضرات (ابن تیمیہ وغیرہ) توحید اسماء وصفات میں جس مسلک پر ہیں وہ تمام صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین (ائمہ اربعہ) اور محققین فقہاء و اُصولیین کا موقف ہے جیسا کہ برصغیر کے نامور حنفی عالم دین مولانا عبدالحی لکھنوی نے وضاحت کرتے ہوئے اسے 'حق' قرار دیا ہے لیکن مولانا سلیم اللہ خاں کا تجزیہ مولانا عبدالحی لکھنوی سے بالکل مختلف ہے۔ ہم نے ائمہ اربعہ بالخصوص امام ابوحنیفہ کے بارے میں ان کی اپنی تصنیفات سے ثبوت پیش کر کے مولانا عبدالحی لکھنوی کی حقیقت پسندی کا اظہار کیا تھا۔ اس مضمون کے بارے میں رابطۃ المدارس الاسلامیہ لاہور کے مرکزی دارالعلوم کے اُستاذِ محترم جناب واصل واسطی صاحب کی طرف

---

a ریسرچ سکالر 'قرآن اکیڈمی' ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

سے ایک خط موصول ہوا جو ذیل میں نقل کیا جارہا ہے:

جناب واصل واسطی صاحب کا خط

محترم جناب حافظ حسن مدنی صاحب (مدیر 'محدث' لاہور)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آداب! حافظ زبیر صاحب کا مضمون نظر سے گزرا۔ اچھا ہے، مگر اس میں ص ۱۲ پر ایک فقرہ یوں ہے "مثلاً اہل تاویل کے ہاں اللہ تعالیٰ لفظی گفتگو پر قادر نہیں ہے۔" جہاں تک ہمارا علم ہے کہ یہ ماتریدیہ و اشعریہ میں سے کسی کا عقیدہ نہیں ہے، اگرچہ وہ کلام نفسی کے قائل ہیں مگر کلام لفظی پر عدم قدرت کی بات تو مشہور کتابوں مثلاً شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد جلالیہ، شرح عقائد نسفیہ اور بیاضی وغیرہ میں نہیں ہے۔

بڑی مہربانی ہوگی اگر اس کی نشاندہی کریں۔ والسلام

واصل واسطی معلّم مرکز علوم اسلامیہ (منصورہ)، لاہور

خط کا جواب

الٰہیات کے بارے میں تعبیرات مع اصطلاحات اگرچہ متکلمین کے ہاں متفقہ نہیں ہیں تاہم ایک تعبیر کے مطابق اشاعرہ اور ماتریدیہ نے صفاتِ الٰہیہ کو پہلے صفاتِ عقلیہ میں اور صفاتِ خبریہ میں تقسیم کیا ہے، پھر عقلیہ کی تقسیم چار ناموں سے اس طرح کی ہے:

a **نفسیہ:** اس سے مراد صفتِ وجود ہے۔

b **سلبیہ:** اس سے مراد قِدم، بقا، مخالفت حوادثِ اور قیام بالنفس کی صفات ہیں۔

c **معانی:** اس سے مراد ذات سے زائد سات صفات ہیں اور وہ حیات، قدرت، ارادہ، علم، سمع، بصر اور کلام ہیں۔

d **معنویہ:** اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حی، قادر، مرید، علیم، سمیع، بصیر اور متکلم ہونا ہے۔

اسی طرح اشاعرہ اور ماتریدیہ صفات خبریہ کی تقسیم بھی کرتے ہیں جو یوں ہے:

a اللہ کی صفاتِ ذاتیہ مثلاً صفت ید (ہاتھ)، صفت وجہ (چہرہ) اور صفتِ عین (آنکھ) وغیرہ کا اثبات نہیں کرتے۔

b اسی طرح اللہ کی صفاتِ فعلیہ (لازمہ بالذات) مثلاً نزول (اترنا)، استواء (برابر ہونا) اور مجیء (آنا) وغیرہ کا بھی اثبات نہیں کرتے۔ البتہ صفاتِ فعلیہ متعدیہ (خلق ورزق وغیرہ) کے قائل ہیں۔

c علاوہ ازیں ان حضرات نے صفاتِ معانی کو لفظاً تسلیم کرنے کے باوجود ان کی تشریح وتوضیح میں تاویلات کا لمبا چوڑا باب کھولا ہوا ہے۔

ان تاویلات کا پس منظر یہ ہے کہ بنو عباس کے دور میں جب یونانی فلسفہ کی کتب کے عربی تراجم ہوئے تو بہت سے کمزور ایمان اہل علم نے یونانی فلسفہ کے منطقی اعتراضات کا گہرا اثر لیا اور وحی الٰہی سے جواب دینے کے بجائے یونانی فلسفہ جس کے بانی مرکھپ چکے تھے، کو زندۂ جاوید فلسفہ قرار دیتے ہوئے اس کے منطقی اُصولوں کو بے چوں وچراں تسلیم کر لیا اور اس طرح ایک مستقل علم 'علم الکلام' کی بنیاد رکھی گئی۔ یونانی منطق کے علم کلام کی بنیاد پر قائم ہونے والے کلامی فرقوں میں جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ نمایاں ہیں۔

ہم اپنے سابقہ مضمون میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ائمہ فقہاے اربعہ عقیدہ میں علم کلام سے متنفر ہونے کی وجہ سے سلفی تھے جبکہ برصغیر پاک وہند میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر مقلدین عقیدہ میں ائمہ اربعہ کی اتباع کی بجائے ابو منصور ماتریدی کے پیروکار ہیں اور اسی نسبت سے 'ماتریدیہ' کہلاتے ہیں۔ چنانچہ اشاعرہ اور ماتریدیہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا لفظاً اقرار کرنے کے باوجود اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اللہ کا کلام لفظی نہیں ہو سکتا بلکہ نفسی ہوتا ہے کیونکہ الفاظ وحروف حادث ہیں اور اگر اللہ کے کلام کو لفظی کلام مان لیا جائے تو اللہ کی ذات محلِّ حادث ٹھہرے گی جو ممتنع ہے۔ پس اللہ کا کلام صرف نفسی ہے یعنی اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اس کو وہ یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ کوئی بھی شخص کلام کرنے سے پہلے اپنے ذہن میں ان معانی کو لاتا ہے جن کو وہ الفاظ کی صورت دینا چاہ رہا ہوتا ہے۔ پس ذہن میں موجود جن معانی کو انسان الفاظ کی صورت دے کر مخاطب تک پہنچانا چاہ رہا ہوتا ہے، وہ معانی کلام نفسی کہلاتے ہیں۔ اور وہ انسان کی ذات کے ساتھ قائم ہوتے ہیں جبکہ الفاظ ان معانی کو ادا کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں، جو زبان سے نکل کر انسان سے جدا ہو جاتے ہیں۔ پس کلام نفسی وہ معانی ہیں جو متکلم کی ذات کے ساتھ

قائم ہوں۔ اللہ کے یہ معانی ازلی ہیں یا دوسرے الفاظ میں اللہ کا کل کلام، کلامِ نفسی ہے اور یہ ازلی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کلام الٰہی ایک معنوی وحدت ہے جس کے اجزا نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۳ھ) لکھتے ہیں:

فعند أهل الحق كلامه ليس من جنس الأصوات والحروف، بل صفة أزلية قائمة بذات الله تعالىٰ منافية للسكوت، والآفة كما في الخرس والطفولة هو بها آمر ناه مخبر وغير ذلك، يدل عليها بالعبارة أو الكتابة أو الإشارة، فإذا عبر عنها بالعربية فقرآن، وبالسريانية فإنجيل، بالعبرانية فتوراة. والاختلاف علىٰ العبارات دون المسمّٰى كما إذا ذكر الله تعالىٰ بألسنة متعددة ولغات مختلفة [a]

"اہل حق کے نزدیک اللہ کا کلام اصوات اور حروف کی جنس میں سے نہیں ہے بلکہ کلام الٰہی سے مراد وہ ازلی صفت ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور یہ کلام نفسی سکوت اور عیب کے منافی ہے جیسا کہ گونگے اور بچے میں یہ عیب ہوتا ہے (کہ وہ لفظی گفتگو نہیں کر سکتا)۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس ازلی کلام نفسی کے ذریعے حکم بھی دیتے ہیں اور منع بھی کرتے ہیں اور خبر وغیرہ بھی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام نفسی پر عبارت، کتابت یا اشارہ کے ذریعہ رہنمائی فرماتے ہیں۔ پس جب اس ازلی کلام نفسی کو عربی زبان میں بیان کیا جائے تو وہ قرآن بن جاتا ہے اور اگر سریانی میں بیان کیا جائے تو انجیل بن جاتی ہے اور اگر عبرانی میں بیان ہو تو تورات بن جاتی ہے۔ پس (ان کتابوں میں) اختلاف عبارات کا ہے جبکہ مسمّٰی (مفہوم) ایک ہے۔"

ان اہل تاویل کا کہنا یہ بھی ہے کہ اللہ کا کل کلام ازلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے سب کلام ازل ہی میں فرما لیا تھا اور یہ ازل سے اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو مکالمہ قرآن میں نقل ہوا ہے وہ کسی خاص یا متعین وقت میں نہیں ہوا بلکہ وہ ازل سے ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

---

a شرح المقاصد: ۱۴۴/۴، عالم الکتب، بیروت، طبع دوم، ۱۹۹۸ء

أما الكلام القديم الذي هو صفة الله تعالىٰ، فذهب الأشعري إلى أنه يجوز أن يسمع. ومنعه الأستاذ أبو إسحق الإسفرائيني وهو اختيار الشيخ أبي منصور رحمه الله فمعنى قوله تعالىٰ ﴿حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ﴾ يسمع يدل عليه، كما يقال:سمعت علم فلان. فموسىٰ سمع صوتا دالا علىٰ كلام الله تعالىٰ، لكن لما كان بلاواسطة الكتاب والملك، خص باسم الكليم [a]

''جہاں تک قدیم کلام کا معاملہ ہے جو اللہ کی صفت ہے، تو ابو الحسن اشعری کا کہنا ہے کہ اسے (یعنی کلام الٰہی کو) سنا جا سکتا ہے جبکہ ابو اسحٰق اسفرائینی اور ابو منصور ماتریدی کا کہنا یہ ہے کہ کلام الٰہی کو سننا ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول ''یہاں تک کہ وہ کلام اللہ کو سن لے'' کا معنیٰ ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اس عبارت کو سن لے جو اللہ کے کلام پر دلالت کر رہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کا علم سنا ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی (کوہِ طور پر کلام الٰہی کو نہیں سنا تھا بلکہ) وہ آواز سنی جو کلامِ الٰہی پر دلالت کر رہی تھی لیکن چونکہ یہ آواز کسی کتاب یا فرشتہ کے واسطہ کے بغیر تھی لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کا خطاب دیا گیا۔''

اس موقف کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس موجود مصاحفِ قرآنیہ میں اللہ کا کلام موجود نہیں ہے بلکہ جو شخص مصحفِ قرآنی میں موجود اللہ کے کلام کی تلاوت یا کتابت کرتا ہے تو وہ اللہ کے حقیقی کلام کی تلاوت یا کتابت نہیں کرتا۔ اسی طرح جو شخص قرآن کی تلاوت سنتا ہے وہ بھی اللہ کا کلام نہیں سن رہا بلکہ ایک ایسی عربی عبارت سن رہا ہے جو اللہ کے کلام پر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی مصاحف میں موجود الفاظ اللہ کے نہیں ہیں بلکہ ان الفاظ کا جو معنیٰ ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور وہ معنیٰ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

اب اس پر سوال یہ پیدا ہوا کہ قرآن کے الفاظ اگر اللہ کے نہیں ہیں تو پھر کس کے ہیں؟ اس کا جواب بعض اہل تاویل نے یہ دیا کہ یہ الفاظ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہیں یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلامِ نفسی کا ادراک لیا اور اپنے الفاظ کی صورت میں ادا کر دیا۔

a شرح عقائد نسفیہ: ص ۴۵، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، القاہرۃ، ۱۹۸۸ء

جبکہ بعض اہل تاویل کا کہنا یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ کے رسول ﷺ کے ہیں یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کلام نفسی کا ادراک اللہ کی ذات سے حاصل کیا اور اللہ کے رسول ﷺ میں اس کو پیدا کر دیا اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس ادراک کو اپنے الفاظ میں کلام لفظی کی صورت دے دی۔ پس قرآن کے الفاظ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام یا اللہ کے رسول ﷺ کے ہیں جبکہ اس کا معنیٰ اللہ کی طرف سے ہے۔

اس نکتہ نظر پر ایک اعتراض یہ پیدا ہوا کہ پھر مصاحف میں موجود قرآن یا کلام کو کلامِ الٰہی کیوں کہا جاتا ہے تو اس کا جواب اہل تاویل یہ دیتے ہیں کہ ہم تو اسے مجازاً کلام الٰہی کہتے ہیں، ورنہ یہ حقیقت کے اعتبار سے کلام الٰہی نہیں ہے بلکہ مخلوق عبارتیں ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

فإن قيل لو كان كلام الله تعالىٰ حقيقة في المعنى القديم مجازًا في النظم المؤلف، لصح نفيه عنه بأن يقال ليس النظم المنزل المعجز المفصل إلي السور والآيات كلام الله تعالىٰ، والاجماع على خلافه ... قلنا: التحقيق أن كلام الله تعالىٰ اسم مشترك بين الكلام النفسي القديم، ومعنى الإضافة كونه صفة الله تعالىٰ، وبين اللفظي الحادث المؤلف من السور والآيات، ومعنى الإضافة أنه مخلوق لله تعالىٰ، ليس من تأليفات المخلوقين [a]

''اگر یہ کہا جائے کہ کلام اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ معنیٰ قدیم کے اعتبار سے تو حقیقی کلام ہے جبکہ تالیف کیے گئے نظم کے اعتبار سے (یعنی الفاظ کے پہلو سے) مجازی کلام ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہم یہ بھی مانیں کہ (قرآن کا) جو نظم (یعنی الفاظ کی ترکیب وترتیب) نازل کیا گیا ہے اور وہ معجزہ ہے اور آیات وسور میں تقسیم ہے تو یہ کلام اللہ نہیں کہلائے گا جبکہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ نظم، اللہ کا کلام ہے... ہم اس اعتراض کا جواب یوں دیں گے کہ تحقیق کے مطابق کلام اللہ 'اسم

a شرح عقائد نسفیہ: ص۴۶،۴۵

مشترک[a]' ہے اور یہ اشتراک قدیم کلام نفسی، اور اس کلام سے مراد حقیقی کلام ہے، اور آیات وسور سے تالیف شدہ حادث کلامِ لفظی میں ہے جبکہ یہاں کلام لفظی کو کلام الٰہی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے نہ کہ مخلوقات کی تالیفات میں سے ہے (یعنی مصاحف میں موجود کلام کو کلام اللہ اس لیے کہا ہے کہ یہ اللہ کی تالیفات اور مخلوق میں سے ہے نہ کہ مخلوق کی تالیفات یا تخلیق میں سے)۔

اس پر یہ اعتراض پیدا ہوا کہ آپ نے تو کلام الٰہی کو مخلوق بنا دیا۔ اب آپ میں اور معتزلہ میں فرق کیا رہا؟ تو اس کا اہل تاویل نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم کلام الٰہی کو مخلوق نہیں مانتے اور جس کلام الٰہی کو ہم مخلوق نہیں مانتے، وہ کلام نفسی ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ازلی ہے اور جہاں تک معاملہ ہمارے پاس موجود مصاحف میں لکھے ہوئے قرآن کا ہے، تو یہ اہل تاویل کے ہاں مخلوق ہے۔ پس اہل تاویل کے نزدیک قرآن کا معنی تو کلام الٰہی ہے اور غیر مخلوق ہے جبکہ اس کے الفاظ کلام الٰہی نہیں اور مخلوق ہیں۔ اس کے برعکس معتزلہ کے نزدیک قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں مخلوق ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

ولما صرح بأزلية الكلام، حاول التنبيه على أن القرآن أيضا قد يطلق على هذا الكلام النفسي القديم، كما يطلق على النظم المتلو الحادث فقال:"والقرآن كلام الله تعالىٰ غير مخلوق" وعقب القرآن بكلام الله، لما ذكره المشايخ من أنه يقال: القرآن كلام الله تعالىٰ غير مخلوق، ولا يقال: القرآن غير مخلوق، لئلا يسبق لي الفهم أن المؤلف من الأصوات والحروف قديم،كما ذهب إليه الحنابلة جهلا وعنادا[b]

''اور جب کلام الٰہی کے ازلی ہونے کی صراحت ہو چکی تو مصنف نے اس طرف متوجہ کیا ہے کہ لفظ 'قرآن' کا اطلاق بعض اوقات اس قدیم کلامِ نفسی پر بھی ہو جاتا

---

a اسم مشترک سے مراد وہ اسم ہے جو ایک سے زائد معانی پر دلالت کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسا کہ لفظ 'عین' ہے جو آنکھ یا چشمہ پر دلالت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

b شرح عقائد نسفیہ: ص ۴۳

ہے جیسا کہ اس (یعنی قرآن) کا اطلاق حادث، تلاوت کیے جانے والے نظم پر ہوتا ہے۔ پس مصنف نے کہا: قرآن، اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ مصنف نے قرآن کے فورا بعد کلام اللہ کے الفاظ نقل کیے ہیں کیونکہ ہمارے مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، یہ جملہ کہنا چاہیے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ 'قرآن غیر مخلوق' ہے تاکہ ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ اصوات و حروف سے تالیف شدہ نظم بھی قدیم ہے جیسا کہ حنابلہ نے جہالت اور عناد کی وجہ سے یہ موقف اختیار کیا ہے۔"

جب اہل تاویل پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ اللہ کے لیے کلام نفسی ثابت کرتے ہیں اور کلامِ لفظی کا انکار کرتے ہیں تو اس سے اللہ کا ساکت یا گونگا ہونا لازم آتا ہے۔ لفظی کلام دو قسم کے اشخاص نہیں کرتے ہیں: ایک وہ جو لفظی کلام پر قدرت تو رکھتا ہو لیکن کلام نہ کرے جیسا کہ 'ساکت' یا خاموش آدمی کی مثال ہے۔ دوسرا وہ جو لفظی کلام پر قدرت ہی نہ رکھتا ہو جیسا کہ گونگے کی مثال ہے۔ اور یہ دونوں عیب شمار ہوتے ہیں کیونکہ کلام کی قدرت کے باوجود کبھی بھی کلام نہ کرنا عیب ہے اور کلام کی قدرت ہی نہ رکھنا بھی نقص ہے۔

اس کا جواب اہل تاویل یہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ کی ذات سے سکوت اور گونگے پن کی نفی کرتے ہیں۔ اب اس پر اعتراض یہ پیدا ہوا کہ صرف کلام نفسی کے متکلم سے سکوت اور گونگے پن کی نفی کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ کلامِ نفسی کا متکلم تو لفظی کلام کرتا ہی نہیں ہے۔ اس کی تاویل، اہل تاویل نے یوں کی کہ سکوت اور گونگے پن سے ہماری مراد باطنی سکوت اور گونگا پن ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

(وهو) أي الكلام (صفة) أي معنى قائم بالذات (منافية للسكوت) الذي هو ترك التكلم مع القدرة عليه (والآفة) التي هي عدم مطاوعة الآلات ما بحسب الفطرة كما في الخرس، أو بحسب ضعفها وعدم بلوغه حد القوة، كما في الطفولية. فإن قيل هذا الكلام إنما يصدق على الكلام اللفظي دون الكلام النفسي، إذ السكوت والخرس إنما ينافي التلفظ. قلنا: المراد السكوت والآفة الباطنيان، بأن لا يريد في نفسه التكلم، أو لا يقدر على ذٰلك، فكما أن الكلام لفظي ونفسي، فكذا ضده، أعني السكوت

والخرس [a]

''کلام الٰہی اللہ کی ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور یہ (یعنی کلام نفسی) اس سکوت کے منافی ہے کہ جس سے مراد قدرت کے باوجود کلام کو ترک کر دینا ہے اور یہ (یعنی کلامِ نفسی) آفت کے بھی منافی ہے کہ جس سے مراد پیدائشی طور پر آلاتِ کلام (مثلاً زبان وغیرہ) کا اثر کو قبول نہ کرنا ہے جیسا کہ گونگے کی مثال ہے یا عہدِ طفولیت میں ان آلاتِ کلام کا کمزور ہونا یا ان آلات کے قوت پکڑنے سے پہلے کا زمانہ مراد ہے۔ پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کی یہ گفتگو تو کلامِ لفظی سے متعلق ہے نہ کہ کلام نفسی کے بارے میں کیونکہ سکوت اور گونگا پن تو کلامِ لفظی کے منافی ہیں۔ اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ ہماری سکوت اور گونگے پن کی آفات سے مراد باطنی سکوت اور گونگا پن ہے، یعنی اس طرح کہ وہ اپنے نفس میں کلام کا ارادہ ہی نہ کرے یا اپنے نفس میں کلام پر قدرت ہی نہ رکھتا ہو۔ پس جس طرح کلام کی دو قسمیں کلامِ لفظی اور کلامِ نفسی ہیں تو اس طرح ان دونوں کی ضد یعنی سکوت اور گونگا پن بھی ہیں۔''

اس پر ایک اعتراض یہ لازم آتا ہے کہ جب اللہ کا کلام، کلام نفسی ہے تو صفتِ کلام اور صفتِ علم میں کیا فرق باقی رہا؟ تو اس کا جواب اہل تاویل یوں دیتے نظر آتے ہیں:

(والكلام) هو صفة أزلية عبر عنها بالنظم المسمى بالقرآن المركب من الحروف. وذٰلك لأن كل من يأمر وينهى ويخبر يجد في نفسه معنى، ثم يدل عليه بالعبارة أو الكتابة أو الإشارة، وهو غير العلم، إذ قد يخبر الإنسان عما لا يعلمه، بل يعلم خلافه، وغير الإرادة، لأنه قد يأمر بما لا يريده، كمن أمر عبده قصدا لإظهار عصيانه، وعدم امتثاله لأوامره، ويسمى هٰذا كلاما نفسيًا [b]

''اور کلام الٰہی سے مراد ازلی صفت ہے جسے ایک نظم کے ذریعے بیان کیا گیا ہے

---

a شرح عقائد نسفیہ: ص ۴۲

b شرح عقائد نسفیہ: ص ۴۱

جس نظم کا نام قرآن ہے اور یہ حروف سے مرکب ہے، کیونکہ جو شخص بھی کسی کام کا حکم دیتا ہے یا اس سے منع کرتا ہے یا اس کی خبر دیتا ہے تو پہلے اپنے جی میں اس کے بارے ایک معنیٰ پاتا ہے اور پھر اس معنی پر عبارت، کتابت یا اشارے کے ذریعے رہنمائی کرتا ہے اور یہ معنی (جو کوئی شخص اپنے جی میں پاتا ہے) علم نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات انسان اس کی بھی خبر دیتا ہے جو اس کے علم میں نہ ہو بلکہ وہ اس کی بھی خبر دیتا ہے جو اس کے علم کے خلاف ہوتی ہے۔ اور یہ کلام نفسی ارادہ بھی نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات انسان ایک ایسے کام کا حکم جاری کرتا ہے جس کو وہ چاہتا نہیں ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے غلام کو قصداً یہ حکم جاری کرے کہ وہ اس کی نافرمانی کرے اور اس کے احکامات پر عمل نہ کرے۔ اس کلام کو کلامِ نفسی کہتے ہیں۔"

ماتریدیہ اور اشاعرہ کے کلامِ نفسی کے موقف کی اس تفصیلی وضاحت کے بعد اب ہم جناب واصل واسطی صاحب کے سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں۔ ماتریدیہ اور اشاعرہ نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کلامِ لفظی کا انکار اس لیے کیا ہے کہ ان کے نزدیک کلامِ لفظی میں حدوث ہے اور اللہ کی ذات سے اس کا صدور ماننے کا مطلب اللہ کی ذات کو محلِّ حوادث ماننا ہے جو ممتنع ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

إن معنى المتكلم من قام به الكلام، والمنتظم من الحروف حادث يمتنع قيامه بذات الله تعالىٰ [a]

"متکلم کا معنی ہے جس کے ساتھ کلام قائم ہو اور جو کلام حروف سے پرو دیا گیا ہو تو وہ حادث ہوتا ہے اور حادث کا اللہ کی ذات کے ساتھ قیام ممتنع ہے۔"

شرح عقائدِ نسفیہ میں ہے:

(أزلية) ضرورة امتناع قيام الحوادث بذاته [b]

"(صفتِ کلام) اَزلی ہے اور اس کو ازلی اس ضرورت کے تحت کہا گیا ہے کہ اللہ کی

---

a شرح المقاصد: ۴/۱۴۷

b شرح عقائد نسفیہ: ص ۴۲

ذات کے ساتھ حوادث کا قیام ممتنع ہے۔"

پس کلامِ لفظی کا اللہ کی ذات کے ساتھ قیام ممتنع ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ممتنع پر قادر نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ اگر قادر ہو تو یہ ممتنع نہ رہا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کلام لفظی کے قیام کو ممتنع قرار دینا اور 'اللہ کا کلامِ لفظی پر قادر نہ ہونا' ایک ہی مفہوم رکھتا ہے۔

اس کو اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ماتریدیہ واشاعرہ کے نزدیک اللہ کا لفظی کلام پر قادر ہونا اس کا محل حادث بننے کی قدرت رکھنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ محل حادث بننے کی قدرت (بالقوۃ رکھے یا بالفعل دونوں صورتوں میں) اہل تاویل کے ہاں نقص اور عیب شمار ہو گا کہ جس نقص اور عیب سے بچنے کے لیے ہی اُنہوں نے کلام نفسی کا فلسفہ تخلیق کیا ہے۔

جہاں تک سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کا تعلق ہے تو وہ یونانی فلسفہ کے انسانی اُصولوں سے اللہ تعالیٰ کو بلند وبالا سمجھتے ہیں کہ انسان اللہ جل شانہٗ کی ذات وصفات کا مکمل احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی کنہ کے اِدراک سے انسانی عقل کوتاہ ہے، اسی طرح ان صفات کی کیفیات سے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ سلف کا صفاتِ الٰہی کے بارے میں عرفی معنیٰ پیش کر کے اس کی کیفیت مجہول قرار دینے کا طریقہ کار سلامتی کی راہ ہے۔ گویا اہل تاویل کی بنیادی غلطی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو اپنی عقل کا پابند بنانا ہے۔ اس کے بالمقابل ائمہ سلف 'الٰہیات' کی تعبیر میں نہ صرف فلسفہ کی عاجزی کا موقف رکھتے ہیں بلکہ فلسفہ سے مستعار اصطلاحات مثلاً قدیم، حادث اور ممتنع وغیرہ کے استعمال سے الٰہیات کی تعبیر کرنے سے بھی اجتناب برتتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک سلامتی کا ضابطہ یہی ہے کہ اللہ کے لیے صرف اسی لفظ ومعنیٰ کا اثبات کرو جو کتاب وسنت سے ثابت ہو اور اس کی ذات سے صرف اسی اسم و وصف کی نفی کرو جس کی نفی کتاب وسنت میں موجود ہو۔ اس کے علاوہ کے بارے میں ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ (النحل:٦٠) اور ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:١١) کا اعلان کرتے ہوئے قیل وقال سے سکوت اختیار کرو۔